

جائے تو فنا ہو جائے گا۔ مرنے کے بعد کسی عمل کی جزا اور سزا نہیں ہے۔ جبکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ انسان کی ازلی زندگی تو یومِ آخرت سے شروع ہوتی ہے، اور ہر عمل کی جزا اور سزا آخرت میں ملنے والی ہے۔ اس لیے اللہ کی خوشنودی کے لیے دنیا میں جدوجہد کرنا بھی انسان کے دینی فرائض میں شامل ہے۔ مال و دولت کمانا، صنعت و تجارت کرنا، مزدوری و ملازمت کرنا، یہ کوئی دنیا داری نہیں ہے، یہ بھی دین ہے، اور دو شرطوں کے ساتھ یہ بھی عبادت ہے۔ ایک یہ کہ نیت درست ہو، دوسرا یہ کہ عمل شرعی حدود میں رہتے ہوئے ہو۔ ان دو شرائط کی موجودگی میں ہر عمل عبادت بن جاتا ہے اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ وہ بنیادی بات ہے جو مسلمان مزدور، صنعت کار اور تاجر کے رگ و پے میں اچھی طرح سے سما جائے تو اجیر اور مستاجر کے تعلقات میں وہ انقلاب رونما ہو گا کہ نہ کسی ٹریڈ یونین کی ضرورت باقی رہ جائے گی نہ یہ جھگڑے پیش آئیں گے جس میں آج ہماری صنعتی دنیا گرفتار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ، یعنی ارکانِ اسلام کے بعد یہ بھی دین کا ایک فریضہ ہے کہ انسان حلال کمائے۔ حلال کمانے کے لیے صنعت و تجارت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، مزدوری و ملازمت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن کریم ایک بات اور بھی کہہ رہا ہے۔ ارشاد ہے: **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ** اللہ نے خرید لی ہیں مومنین کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے بدلے۔ (التوبہ ۹: ۱۱۱) خریدار کون ہے، اللہ رب العالمین۔ فروخت کرنے والا کون ہے، مومنین ہیں، ہم لوگ ہیں۔ اور خریدی کیا چیز گئی ہے، ہماری جانیں اور مال۔ سودا کس چیز کے عوض ہوا ہے، جنت کے عوض۔ گویا ہر مومن اجیر ہے اور اللہ رب العالمین اس کا مستاجر ہے۔ یہاں صنعت کار اور اجیر کی تفریق مٹ جاتی ہے۔ صنعت کار بھی اجیر ہے اور اجیر تو اجیر ہے ہی، اور یہ دونوں ایک رب العالمین کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہ جواب دہی کا نظریہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو انسان کو اور اسلامی معاشرے کو جو روحِ ظلم سے بچانے کی واحد ضمانت ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات مثالی ہیں، اور پیشوں کی آزادی، پیشوں کا احترام، محنت کا احترام اور ذرائع معاش کی آزادی اسلام کے اقتصادی نظام کی بنیادی روح ہے۔

ٹریڈ یونین کی ضرورت کیوں؟

ٹریڈ یونین کی ضرورت سرمایہ داروں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے پیش آتی ہے۔ سرمایہ داری نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ وسائل معاش چند افراد اور گروہوں کے قبضے میں آ جاتے ہیں اور باقی تمام قوم ان کی محتاج بن جاتی ہے۔ اگر مزدور کارخانے میں ملازمت نہیں کرے گا تو اسے اور کوئی

ذریعہ معاش ملنے کی امید نہیں۔ وسائل معاش محدود ہیں، جو چند افراد اور حکومت کی سرکاری مشینری کے قبضے میں ہیں۔ اب مزدور ایک انسان ہے جس کو اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالنا ہے۔ وہ لامحالہ یا تو کارخانہ دار کے ظلم و ستم برداشت کرے اور اس کی شرائط پر ملازمت کرے، یا زمیندار کے ظلم و ستم کو برداشت کرے اور اس کی شرائط پر کام کرے۔ اسلام کے معاشی نظام کی بہت بڑی خصوصیت جو اس سرمایہ داری نظام سے جدا کرتی ہے، یہ ہے کہ اس نے معاشی وسائل کی بہتات کا اہتمام کیا ہے، تاکہ ایک مزدور جسے ایک کارخانہ دار مناسب اجرت دینے پر تیار نہیں ہے، اس کو وہاں عزت نفس نہیں ملتی، وہ بڑے اطمینان سے اس ملازمت پر ٹھوکر مار دے اور دوسرا ذریعہ معاش اختیار کر لے۔ اگر صحیح معنوں میں اسلام کا معاشی نظام نافذ ہو گا تو وہاں کوئی مزدور اس پر مجبور نہیں ہو گا کہ اگر کارخانہ دار کی ناجائز بات نہیں مانوں گا تو بھوکا مر جاؤں گا۔

سرمایہ داری نظام میں وسائل محدود ہیں اور وہ سب چند افراد کے قبضے میں ہیں۔ مزدور جب ملازمت کرنے آتا ہے اور اس کے گھر میں فاسقے ہو رہے ہیں تو اس وقت وہ صنعت کار کی سخت شرائط کو منظور کر لیتا ہے۔ سرمایہ دار اس کی اس کمزوری کو جانتا ہے اور اس پر مزید ظلم و ستم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس ظلم و ستم سے بچنے کے لیے ٹریڈ یونین وجود میں آتی ہے اور پھر ٹریڈ یونین نہ صرف یہ حقوق منواتی ہے بلکہ ان حقوق کے حصول کے نام پر ایسے مظالم روا رکھتی ہے کہ صنعتی زندگی کو مفلوج بھی کر دیتی ہے اور طرح طرح کے ناجائز کاموں کا ارتکاب بھی کرتی ہے۔ انھوں نے ظلم کیا تو یہ اس کا جواب ظلم سے دیتے ہیں۔ وَكَذَلِكَ نُؤَيِّدُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا كَمَا نُنْظُرُ سَائِمًا آتَا بِهٖ كَلَامُ بَعْضِ ظَالِمُوْنَ پر دوسرے ظالموں کو مسلط کر دیتا ہے۔ (الانعام ۶: ۱۲۹) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صنعتی تعلقات میں خوشگواہی نہ پہلے تھی نہ بعد میں وجود میں آتی ہے۔ ٹریڈ یونین کے آنے سے کچھ اور نئے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، جھگڑنے بڑھ جاتے ہیں۔ کبھی تالہ بندی ہوتی ہے، کبھی اسٹرائیک ہوتی ہے، اور دونوں کے نتیجے میں صنعت مفلوج ہو جاتی ہے، معاشی ابتری ملک میں پھیل جاتی ہے۔ مسائل کا یہ حل نہیں ہے۔ نہ ٹریڈ یونین اس کا حل ہے، نہ سرمایہ داری نظام۔ اس کا واحد حل وہ اقتصادی نظام ہے جس کے اندر پیشوں کی آزادی ہو، محنت کا احترام ہو، وسائل معاش کی بہتات ہو۔

آجر اور مستاجر کے تعلقات کی بنیادیں

معاهدہ ملازمت: اجیر و مستاجر کے تعلقات اس وقت شروع ہو جاتے ہیں جب اسے ملازم رکھ لیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں قرآن کریم احادیث نبویؐ اور فقہی تفصیلات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ملازمت کا ایک معادہ طے پانا چاہیے، جس میں کام کی نوعیت، وقت کی مقدار، تنخواہ

اور تنخواہ کے علاوہ جو جو سہولتیں مستاجر دینے کے لیے تیار ہے ان کی وضاحت، تعطیلات کی تفصیلات، اوقاتِ کار، مدتِ ملازمت، عزل و نصب کے اختیارات، معاہدہ کو فسخ کرنے کی تفصیلات طے ہونا ضروری ہیں۔ اجیر و مستاجر کے درمیان اس طرح کے معاہدے کو اجارہ کہتے ہیں۔ اگر یہ امور طے نہ ہوں تو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ایسا اجارہ فاسد ہے۔ اس کو فسخ کرنا شرعاً واجب ہے اور ایسا اجارہ کرنے والے دونوں گناہ گار ہیں۔

قرآن کریم میں اس کی بنیادیں موجود ہیں۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۲ میں حضرت موسیٰؑ کے واقعے سے رہنمائی ملتی ہے۔ حضرت شعیبؑ کی دونوں صاحبزادیوں میں سے ایک نے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ آپ ان کو گھر کے کام کاج کے لیے ملازم رکھ لیجیے، تو حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا: میرا ارادہ یہ ہو رہا ہے کہ میں ان دو لڑکیوں میں سے کسی ایک کا نکاح تم سے کر دوں، اس شرط پر کہ تم میرے ہاں آٹھ سال تک ملازمت کرو گے۔ میرے گھر کا کام کاج کرو گے، کیونکہ گھر میں کوئی اور مرد کام کرنے والا نہیں تھا۔ کام متعین تھا، جگہ متعین تھی، اس کی مدت بھی آٹھ سال مقرر ہو گئی تھی۔ آگے فرمایا: اگر تم نے دس سال پورے کر دیے تو تمہاری طرف سے احسان ہو گا۔ اور میں تمہیں کوئی ایسا کام نہیں گا جس سے تمہیں مشقت اور تکلیف لاحق ہو۔ تم مجھے ان شاء اللہ نیکو کار پاؤ گے۔ مستاجر کیا کہ رہا ہے۔ اجرت بتا رہا ہے۔ اجرت کیا ہے: اپنی جینی نکاح میں دے دوں گا۔ (اس زمانے میں یہ شرعاً جائز تھا)۔ کام کیا ہے: گھر کا کام کاج۔ مدت آٹھ سال کی ہے، اس سے زیادہ ایک دو سال اور لگا دو گے تو تمہارا مزید احسان ہو گا۔ اپنے اوپر ذمہ داری لے رہا ہے کہ میں تم پر ایسا کام نہیں ڈالوں گا جو تمہارے لیے مشقت اور تکلیف کا باعث ہو اور تم مجھے جو معاہدہ میں تم سے کر رہا ہوں اس کی پابندی کرنے والا پاؤ گے اور بھی جو باتیں ایک نیک انسان سے متوقع ہوتی ہیں ان شاء اللہ وہ تم کو حاصل ہوں گی۔ یہ مستاجر کی طرف سے اسباب ہے۔ اب اجیر جواب دیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے کہا: یہ سناؤ میرے اور تمہارے درمیان طے پا گیا ہے۔ ان دو مدتوں میں سے جو بھی مدت پوری کروں، میرے اوپر کوئی زور یا جبر نہیں ہو گا۔ یعنی مجھے اختیار ہو گا کہ ان دونوں میں سے جو بھی مدت چاہوں اختیار کروں، اس سے کم نہیں کروں گا۔ اور جو کچھ میں اور آپ بات کر رہے ہیں اور معاہدہ ملازمت طے پا رہا ہے اس کے اوپر ہم اللہ تعالیٰ کو نگران مقرر کرتے ہیں۔ کوئی بدینتی، بددیانتی کسی ایک کی طرف سے سرزد ہوگی تو وہ ہر انسان کے عمل سے باخبر ہے اور ہمارا افساب اسی کے سامنے ہونے والا ہے۔

صلاحیت: ملازم کی صلاحیتوں کے بارے میں میں دو جگہوں پر معیار ملتے ہیں۔ ملازم اور

مزدور دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ملازمین وہ ہوتے ہیں جو انتظامیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک وہ مزدور ہوتا ہے جس کا کام محنت سے ہوتا ہے۔ انتظامی ملازمین کے لیے معیار قرآن کریم نے حضرت یوسفؑ کے واقعے میں دیا ہے۔ یوسفؑ سے بادشاہ مصر نے کہا: ہمارے نزدیک تم امانت دار ہو، معزز ہو۔ جب حضرت یوسفؑ نے دیکھا کہ قحط سے بچانے کا کوئی اور انتظام بظاہر نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں اپنی خدمات پیش کروں، مجبوراً انھوں نے اپنے آپ کو پیش کیا اور فرمایا: آپ مجھے خزانہ الارض پر مقرر فرما دیجیے۔ زمین کے تمام خزانوں پر جس میں زرعی پیداوار بھی ہے۔ اس کا مطلب میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ وزیر خزانہ اور وزیر تجارت و زراعت مجھے بنا دیجیے۔ کیوں؟ میرے اندر دو صفتیں ہیں: ایک میں حفاظت کرنے والا ہوں، دوسرے یہ کہ میں امانت دار ہوں۔ تمام امور اور احوال کی زرعی پیداوار کی اور جو راز اور انتظامی امور مجھ سے متعلق ہوں گے ان سب کی میں حفاظت کرنے والا ہوں۔ ان تمام کاموں کے لیے علم کی ضرورت ہے، تو الحمد للہ مجھے علم کی دولت بھی حاصل ہے کہ میں جانتا ہوں کہ کون سے موقع پر کتنا مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک وزیر خزانہ کو اپنا کام سنبھالنے کے لیے جن دو اہم اوصاف کی ضرورت تھی وہ حضرت یوسفؑ نے پیش کیے۔

دوسری قسم کے ملازم محنت کار ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بھی حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں دو وصف بیان فرمائے گئے ہیں۔ صاحبزادی نے کہا: ابا جان، آپ اس کو گھر میں ملازم رکھ لیں۔ سب سے اچھا تجربہ ہے جو قوی ہو اور امانت دار ہو۔ قوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام اس سے متعلق ہے اس کی پوری اہلیت، صلاحیت اور جسمانی قوت اس کے اندر موجود ہو۔ اور امانت دار ہونے کا وصف بھی موجود ہو۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں ملازمت اور مزدوری میں کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ تاہل آدمی اگر یوں کہے کہ ”کیوں کہ میں فلاں شہر میں پیدا ہوا تھا اس واسطے مجھے فلاں ملازمت پر ضرور لگائیے ورنہ آپ ظالم ہوں گے“۔ اس کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ یہاں اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر فیصلے ہوں گے۔ اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی ملازم اہلیت اور صلاحیت میں ناقص ہے تو پھر یہ ایک ناانصافی کی بات ہے کہ وہ پھر بھی اسی جگہ ملازمت پر اصرار کرے۔ دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کام کو چھوڑ دے۔

محنت کا احترام : محنت کا احترام صنعتی تعلقات میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ تصور پتا نہیں کیسے آیا کہ مزدور حقیر ہے اور مستاجر باعزت۔ درحقیقت یہ تصور ہندو رسم و رواج کا حصہ ہے۔ ان کے یہاں طبقات تھے، جیسے گانڈھی والا موچی اور چمار کہلاتا تھا، بیت

اخلاصاف کرنے والا بھٹکی کھاتا تھا۔ اسلام میں یہ تصورات نہیں ہیں۔ حضرت داؤدؑ نے لوہار کا کام کیا، حضرت ادریسؑ نے بڑھئی کا کام کیا، تمام انبیاءؑ نے بکریاں چرائیں۔ رسول اللہؐ نے مسجد نبویؐ کی تعمیر میں پتھر، حوئے، غزوہ خندق کے موقع پر زمین کھودی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ جب گھر میں ہوتے تھے اپنے جوتے کو گاتھ لیتے تھے، اپنے کپڑے کو سی لیتے تھے، اپنی بکریوں کا دودھ دودھ لیتے تھے۔ یہ تمام کام رسول اللہؐ نے کر کے بتلائے کہ ان میں سے کسی کام میں نہ ذلت ہے نہ وقار و عزت کے خلاف کوئی بات ہے، بلکہ یہ تو مکارم اخلاق ہیں۔

ایک انصاری آپؐ کے پاس تشریف لائے اور کہا: میرے پاس مال کچھ بھی نہیں ہے، کچھ پیسے دے دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا: گھر میں تمہارے پاس کچھ تو ہو گا۔ کہا: ہاں ایک ٹاٹ ہے، جس کے کچھ حصہ کو ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ حصے کو بچھا لیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے۔ فرمایا: دونوں لاؤ۔ آپؐ نے اسے نیلام کر لیا، ۲ درہم میں وہ فروخت ہوئے۔ آپؐ نے کہا کہ جاؤ اس میں سے ایک درہم تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔ اور ایک درہم سے کھلاڑی کا پھل خریدا اور لکڑی آپؐ نے اپنے دست مبارک سے لگائی، اور فرمایا: جاؤ، لکڑیاں کاٹو اور فروخت کرو، اور اس سے اپنا پیٹ پالو۔ آئندہ کے لیے جمع کرو اور ۱۵ دن تک سامنے نہ آنا۔ چنانچہ ۱۵ دن کے بعد آئے تو ۱۰ درہم کا چلے گئے۔ پھر آپؐ نے اس کا طریقہ بتایا، کتنے پیسے خرچ کرو، کتنے پس انداز کرو، کتنے فلاں کام میں لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا کام کروادیا۔ پھر آپؐ نے کسب حلال کی فضیلت بیان فرمائی کہ ”سب سے بہتر رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل کرتا ہے۔“ چاہے جھاڑو دے کر حاصل ہو، چاہے بیت الخلا صاف کر کے حاصل ہو، چاہے ہوٹلوں میں پیرا بن کر حاصل ہو۔ اس سے عزت میں کوئی کمی نہیں آتی۔

ایک اور بڑی اہم بات ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہؐ نے فرمایا: جس شخص نے اس حالت میں شام کی کہ وہ کاموں سے تھک کر چور ہو گیا۔۔۔ نہیں بتایا کہ کون سے کام، ظاہر ہے کہ وہ دنیا کے کام ہیں، تجارت کے کام ہیں، مزدوری کے کام ہیں۔ تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اب اندازہ کیجیے، محنت کا کتنا احترام ہے، محنت کی کتنی عظمت ہے۔

تاجر کے بارے میں فرمایا: وہ تاجر جو سچا بھی ہے اور امانت دار بھی ہے، اس کا حشر آخرت میں انبیاء کرام، صدیقین، اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔ اللہ رب العالمین یہ فرما رہے ہیں کہ جو تاجر صدق و امانت میں کامل ہو وہ آخرت میں آنحضرتؐ اور انبیاء کرامؑ کے ساتھ ہو گا۔ یہ معمولی اعزاز نہیں ہے، بہت بڑا اعزاز ہے۔ اور ایسا تاجر امانت دار نہیں ہو سکتا، نہ مزدور اور ملازم کے ساتھ نا انصافی کرتا

ہو، غیر خواہی نہ کرتا ہو، بھردی نہ کرتا ہو۔ اس لیے محنت کا احترام صنعتی تعلقات کی بہتری کے لیے اسلام کی نظر میں ایک بڑی اہم بنیاد ہے۔

دکاندار نے، صنعت کار نے آپ کا وقت خریدا ہے، محنت خریدی ہے، اور آپ نے فروخت کی ہے۔ یہ تصور کہیں نہیں ہوتا ہے کہ کیونکہ یہ خرید رہا ہے اس لیے یہ اعلیٰ مرتبے کا ہے اور کیونکہ یہ فروخت کر رہا ہے تو ادنیٰ مرتبے کا ہے۔ آپ میں اور صنعت کار میں کسی کو اونچا نیچا ہونے کا حق نہیں ہے۔

ادائے حق: محنت کے احترام کے ساتھ ساتھ ادائے حقوق تیسری بنیاد ہے۔ قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کی تعلیمات میں حق والوں کو خطاب کر کے یوں نہیں کہا گیا کہ تم اپنا حق وصول کر لو۔ یہ اور بات ہے کہ اپنا حق وصول کرنے کے لیے جدوجہد کی بھی اجازت ہے۔ اس کے بجائے یہ ترغیب دی گئی ہے کہ تم دو سروں کے حقوق ادا کرو۔ حکم یہ ہے کہ تم امانتیں ان لوگوں کو پہنچا دو جن کی وہ امانت ہیں۔ اس حکم پر عمل ہو جائے تو دوسرے پر خود بخود عمل ہو جائے گا کیونکہ ایک کا حق دوسرے کا فریضہ ہے۔ یہ سرمایہ داری نظام کی ایک بلا ہے کہ حقوق مانگنے میں تو سب ایک دوسرے سے آگے ہیں، اور ادائے حقوق کا کوئی ذکر بھی نہیں ہوتا۔ مسلم معاشرے میں بھی ایک بھیڑ چال ہے۔ پروپیگنڈہ کے باعث اور موجودہ معاشی نظام کی وجہ سے یہ ذہن بنا ہے کہ مزدور کا ہر مطالبہ جی برحق ہے۔ لیکن کیا صنعت کار اور تاجر کے حقوق نہیں ہیں۔ اللہ رب العالمین کے بندے دونوں ہیں اور مزدور بھی ہیں۔ مزدور کے حقوق، سرمایہ دار کے فرائض ہیں اور سرمایہ دار کے حقوق مزدور کے فرائض ہیں۔ قرآن کریم نے ادائے حقوق کا بہت اہتمام کیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم میں ہے **وَبَلِّغْ لِلْمُطَفِّفِينَ** ”ویل“ کہتے ہیں بربادی کو، عذاب کو، اور مفسرین نے لکھا ہے کہ جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے، جو اتنی گہری ہے کہ اگر اوپر سے پتھر پھینکا جائے تو چالیس سال کے بعد اس کی تہ میں پہنچے گا۔ مطف کہتے ہیں ٹاپ تول میں کمی کرنے والے کو۔ دودھ والا دودھ ٹاپتا ہے اور اپنا کرتب دکھاتا ہے، ایک کلو کے بجائے پونے دو کلو دودھ دیتا ہے۔ کپڑا اپنے والا گزروں سے ٹاپتا ہے اور اپنی مہارت دکھاتا ہے اور ہرگز کے اندر سے ایک دو انچ بچا لیتا ہے۔ یہ تو ٹاپ میں کمی ہوئی۔ تول میں کمی وہی ہے جو ہمارے پاکستانی تاجر بکثرت کرتے ہیں، یعنی ذمہ داری مارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ٹاپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے، بربادی ہے، یا جہنم کی وہ وادی مقرر ہے (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے)۔ ٹاپ تول میں کمی کرنے والوں کی صفت بیان کی **الَّذِينَ يَخْتَفُونَ بَيْنَ يَدَيْهِمْ** جب دو سروں سے ٹاپ کر چپ

لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، لیکن وَإِذَا كَانُوا لَهُمْ أَوْذَاقًا وَهُمْ يَكْسِرُونَ جب ٹاپ کر دو سروں کو کوئی چیز دیتے ہیں اور وزن کر کے کوئی چیز دیتے ہیں تو ڈنڈی مارتے ہیں۔ اشارہ اس جانب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی زبردست حماقت کی بات ہے۔ آدمی یہ چاہے کہ جب دو سروں کو دے تو ٹاپ تول میں کمی کر کے دے، اور دو سروں سے پورا پورا ملے، ایسا نہیں ہو گا۔ جب دودھ والا ڈنڈی مارے گا اور دوا لینے کے لیے کیمسٹ کے پاس جائے گا تو وہ بھی ڈنڈی مارے گا، اور کیمسٹ جب ڈاکٹر کے پاس جائے گا تو وہ بھی اس کی جیب کاٹے گا۔ اور ہر ایک خوش ہے کہ میں نے اس سے پانچ دس روپے بچا لیے۔ بچایا و چایا کچھ نہیں، جتنا بچایا تھا اس سے زیادہ چھین گئے۔

میرے والد ماجد مفتی محمد شفیع عثمانی فرمایا کرتے تھے کہ جو حکم خریدار اور اس کے گاہک کا ہے بالکل وہی حکم اجیر اور مستاجر کے درمیان ہے۔ اجیر نے تحواہ پوری پوری لے لی۔ ڈیوٹی اس کی آٹھ گھنٹے کی تھی، اس نے آدھ گھنٹہ چائے پینے میں، گپ شپ کرنے میں، ذاتی خطوط لکھنے میں، اخبار پڑھنے میں گزار دیے۔ یہ بھی مطلق ہے۔ کیونکہ اس نے پیسے پورے لے لیے، مال تجارت پورا نہیں دیا۔ سرکاری ملازم ہو یا افسر ہو، کارخانہ کا منیجر ہو یا کلرک۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم پر جو عذاب آیا تھا ان کا جرم کیا تھا۔ یہی تلفیف تو ان کا جرم تھا۔ وہ قوم ٹاپ تول میں کمی کیا کرتی تھی۔ قرآن میں اس کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ قوم کو کس طریقے سے برباد کیا گیا۔

ایک بات اور ہے، جو کہیں اپنے درجے میں فرض ہے، کہیں مستحب ہے، اور وہ یہ ہے کہ سرمایہ دار مزدور کی خیر خواہی کرے اور مزدور سرمایہ دار کی خیر خواہی کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، 'الدین النصیحة' پورا دین نصیحت ہے، ملازم اور مزدور کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے حقوق کا لحاظ رکھو۔ اور مزدور بھی پابند ہے کہ مالک اور کارخانہ دار کے ساتھ خیر خواہی کرے۔ یہ خیر خواہی مزدور میں جب تک پیدا نہیں ہوگی، جب تک مزدور کا دل اس میں شامل نہیں ہو گا۔

(نیشنل لیبر فیڈریشن کے ایک سیمینار میں کی گئی تقریر)

اخبار امت

۱۔ انڈونیشیا: اسلامی لہر

انڈونیشیا اپنی ۱۹ کروڑ سے زیادہ آبادی کے حساب سے سب سے بڑا مسلمان ممالک ہے، جن میں ۸۷ فی صد مسلمان ہیں۔ مسلمان ہر قسم کے ہیں، خصوصاً جاوا کے، جہاں آبادی کی اکثریت ہے، بعض مسلمانوں کے عقائد و رسومات دیکھ کر کٹرسلی شاید ان کو مسلمان ماننے سے بھی انکار کر دیں۔ لیکن انڈونیشین مسلمانوں کی اسلام سے محبت اور احیائے اسلام سے وابستگی کی تاریخ طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی: سائترامیں دارالاسلام کی تحریک (جو کیکل دی گئی) 'ماشومی پارٹی اور ڈاکٹر ناصر (جو وزیر اعظم بھی رہے) اور نبضۃ العلما، اس وابستگی کے چند تابندہ نشانات ہیں۔ مگر سوہارتو دور میں کیونسٹ پارٹی کا غلبہ ۱۹۶۶ء میں ان کے فوجی انقلاب کی ناکام کوشش اور فوج کا جوابی انقلاب 'سوہارتو کے تقریباً تیس سالہ دورِ حکومت میں پنج شیلہ کی حکمرانی اور کنٹرولڈ جمہوریت جس میں فوج پارلیمنٹ کی ۲۰ فی صد سیٹوں کی حق دار ہے، ان عوامل نے بظاہر اسلامی احیاء اور جماعتوں کو بہت پیچھے ڈال دیا۔

ان تمام واقعات کے باوجود، ہفت روزہ گادجین (۲ اپریل ۹۵ء) میں مشہور فرانسیسی اخبار لی مانڈ کی رپورٹ کے مطابق ”ملک کے طول و عرض میں اسلام کا احیا صاف دیکھا جاسکتا ہے: حجاب پہننے والی عورتوں اور لڑکیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور نئی مساجد تعمیر ہو رہی ہیں، رمضان کا اہتمام ہر سال بڑھتے ہوئے ذوق و شوق سے ہوتا ہے، اور دفاتر میں لوگوں کو اپنا کام کرانے کے لیے نماز ختم ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ حج بھی زیادہ کثرت سے ہو رہا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ یہ مظاہر دیہاتوں سے زیادہ شہروں میں، اور نچلے طبقوں سے زیادہ خوش حال متوسط طبقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔“

نبضۃ العلما کا اپنا مقام ہے۔ اس کے ۳۶ لاکھ ممبر ہیں، جن میں علما بھی ہیں، دانش ور اور عوام بھی۔ اس کی طاقت کا اصل سرچشمہ ۸ ہزار دینی مدارس ہیں۔ ۵۳ سالہ عبدالرحمان واحد، جو ۱۹۸۴ء سے نبضۃ العلما کے سربراہ ہیں، اس تنظیم کی بنیاد رکھی، حکومت کی